حکمتِ اقبال (۹)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی کی حقیقت

خودی کیا ہے

اقبال کی حکمت میں خودی سے مراد وہ شعور ہے جو خود شناس اور خود آگاہ ہو اپنی ذات اور اپنے مقاصد کا احساس یا شعور رکھتا ہو لیکن یہاں شعور کا مطلب ہوش یا تمیز نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کا خاصّہ ہوش یا تمیز رکھنا ہے' یا جس کی وجہ سے ایک انسان تمیز یا ہوش رکھتا ہے۔ انسان میں یہی چیز ہے جو خود شناس یا خود آگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو "میں" کہتی ہے۔ اس لیے اقبال اس کو "انا" یا "ایغو" یا "من" بھی کہتا ہے۔ اور پھر یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان زندہ ہے، اور جب مرتا ہے تو یہی وہ چیز ہے جو اس کے جسم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس لیے اقبال اس کے لیے "روح" اور "جان" کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اور اس کو "زندگی" اور "حیات" کے ناموں سے بھی تعبیر کرتا ہے۔

عقل مُدّت سے ہے اس پیچاک میں اُلجھی ہوئی
رُوح کس جوہر سے خاکِ تیرہ کس جوہر سے ہے

ارتباطِ حرف و معنی اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنے خاکستر سے ہے

زندگی بغیر شعور کے نہیں ہوتی لہٰذا ان معنوں میں کہ شعور زندگی ہے ایک خاص سطح کا شعور

© rasailojaraid.co

حیوان میں بھی موجود ہے۔ لیکن حیوان کا شعور آزاد نہیں بلکہ قدرت کی پیدا کی ہوئی ناقابلِ تغیّر جبلتوں کے ماتحت کام کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کا شعور جبلتوں سے آزاد ہو کر اور ان کی مخالفت میں بھی عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود شناس اور خود شعور ہے اور اپنے مقاصد کو جانتا ہے۔ حیوان اپنے شعور کی وجہ سے فقط سوچتا جانتا اور محسوس کرتا ہے لیکن انسان اپنے شعور کی وجہ سے نہ صرف جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے بلکہ جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہ جانتا بھی ہے کہ وہ جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ اس لیے ہم انسان کے شعور کو خود شناس اور خود آگاہ کہتے ہیں۔ اسے شعور نہیں بلکہ خود شناسی، خود شعوری یا خود آگاہی کہنا چاہیئے اقبال اسی کو خُودی کہتا ہے۔

خُودی کے اوصاف وخواص: خود آگاہی

خود آگاہی خودی کا ایک حیرت انگیز خاصّہ ہے۔ اسی خاصّہ کی وجہ سے کائنات برپا ہے اور انسان کی ساری تگ ودَو اور جدوجہد اسی خاصّہ کی وجہ سے ہے۔ اسی کی وجہ سے خودی اپنے آپ کو بغیر آنکھوں کے دیکھتی ہے اور بغیر کانوں کے سنتی ہے بلکہ اپنے آپ کو کسی حس کی مدد کے بغیر براہِ راست پوری طرح سے جانتی ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ مَیں ہوں کیونکہ میں سوچ رہا ہوں، جان رہا ہوں اور خوشی یا غم محسوس کر رہا ہوں لیکن میری کوئی حس مجھے اپنے آپ کو جاننے میں مدد نہیں دے رہی۔ اگرچہ میں اپنی خودی کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کے باوجود بغیر ان آنکھوں کے اس طرح سے دیکھ رہا ہوں کہ میرے لیے اپنے آپ کا علم ان چیزوں کے علم سے بدرجہا زیادہ یقینی ہے جن کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں بلکہ میں جن چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتا ہوں ان کا جاننا میرے لیے اسی وجہ سے ممکن ہے کہ میں اپنی خودی کو جانتا ہوں کیونکہ ان کا علم وہی ہے جس کو میری خودی جانتی ہے اور میری خودی سے باہر ان کا کوئی علم نہیں، لہٰذا اگر میں اپنی خودی کو نہ جانوں تو دنیا کی کسی چیز کو دیکھنے کے باوجود نہیں جان سکتا۔ اگر دنیا بھر میں کسی چیز کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے تو وہ فقط اپنی خودی کا علم ہے۔ ہم اپنی خودی کے علم سے ہی اپنے دوسرے غیر خودی کے علم کو پرکھتے ہیں۔

خودی کا وجود فریب یا وہم نہیں

خارج کی دنیا کے متعلق ہمارا علم قیاسی ہے اور ہمارا قیاس حواس پر مبنی ہوتا ہے۔ حواس کے تاثرات کے بدلنے سے خواہ اس کا کوئی سبب خارج میں ہو یا نہ ہو، ہمارا علم بدل جاتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص کائنات کے متعلق تو کہہ سکتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور زمین اور آسمان درحقیقت موجود نہیں ہیں یا ان کی حیثیت ایک ایسے خواب یا وہم سے زیادہ نہیں جو خالق کائنات کی ہستی کے لیے ایک پردہ کا کام دے رہا ہے۔ لیکن کوئی شخص خودی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ایک وہم ہے۔ خودی کا وجود محسوس دنیا، خارجی دنیا یا مادّی دنیا کی چیز نہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے حواس اور ہمارے قیاسیات اس کو جاننے کا وسیلہ نہیں بنتے۔

فروغِ دانشِ ما از قیاس است
قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و دیر و کیف و کم دگر شد
توان گفتن جہانِ رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواسِ ما جہانِ ماو او نیست

اگر کوئی کہے کہ ہمیں اپنی خودی کے وجود کا دھوکا یا وہم ہو رہا ہے اور درحقیقت ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو اپنے آپ کو "میں" کہہ سکتی ہو تو اس سے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس کس کو ہو رہا ہے۔ اگر اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس ایک حقیقت ہے اور خود ایک دھوکا اور وہم نہیں تو وہ چیز کیونکر ایک دھوکا یا وہم ہو سکتی ہے جس کو یہ علم یا احساس ہو رہا ہے اور یہی چیز خودی ہے جو اپنے آپ کو "من" کہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

اگر گوئی کہ "من" وہم وگمان است
نمودش چوں نمودِ این وآن است
بگو بامن کہ دارائے گماں کیست
یکے در خود نگر آں بےنشاں کیست

یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ خارج کی دنیا تو آشکار موجود ہو لیکن اس کے باوجود اس کا وجود مشکوک ہو اور دلیل اور ثبوت چاہتا ہو اور اس کے اسرار ورموز پر کوئی جبرئیل بھی حاوی نہ ہو سکے اور خودی نظروں سے اوجھل ہو اور اس کے باوجود اس کا ہونا یقینی ہو اور ثبوت یا دلیل سے بےنیاز ہو بلکہ تمام دعاوی اور مسائل اور تمام براہین اور دلائل اس کے ہونے پر مبنی ہوں۔ اس سے زیادہ خودی کے حقیقی ہونے کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے لہٰذا خودی حق ہے اور باطل نہیں، وہ موجود ہے اور غیر موجود نہیں اور اس کا وجود بےمقصد اور بےسود نہیں۔

جہان پیدا و محتاج دلیلے
نمی آید بفکرِ جبرئیلے
خودی پنہاں ز حجت بےنیاز است
یکے اندیش و دریاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل مپندار
خودی را کشتِ بےحاصل مپندار

زمان ومکان سے بےنیازی

اس کے باوجود کہ خودی انسان کے جسدِ عنصری میں جاگزیں ہے جو سلسلۂ لیل ونہار کی پابندیوں سے گھرا ہوا ہے وہ خود زمان ومکان کی حدود وقیود سے آزاد ہے۔ کیونکہ وہ اپنے خیال کے ذریعہ سے ادھر ماضی اور مستقبل کی انتہاؤں تک اور اُدھر کائنات کے دور دراز گوشوں تک جہاں روشنی بھی کروڑوں برس میں آتی ہے آنِ واحد میں جا پہنچتی ہے۔

بخاک آلودہ و پاک از مکان است
بہ بندِ روز و شب پاک اززمان است
خیال اندر کفِ خاکے پنہان است
کہ سیرش بے مکان و بے زمان است

چونکہ ہم خودی کو کسی حالت میں بھی نہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں اور غیر کی خودی اپنی خودی نہیں ہوتی کہ ہم حواس کی مدد کے بغیر براہِ راست اسے دیکھ سکیں۔ ہم غیر کی خودی کا علم خواہ وہ خودی خدا کی ہو یا انسان کی فقط اس کے مظاہر اور اثرات اور اعمال اور افعال کے مطالعہ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

خودی ایک نورانی قوت یا قوتِ نور ہے

خودی ایک نور ہے لیکن مادّی روشنیوں میں سے کوئی روشنی ایسی نہیں جو اس کی مماثل ہو اور پھر خودی ایک قوت ہے لیکن مادّی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے ساتھ اس کو مشابہت دی جا سکے۔ یہی وہ نورانی قوت یا قوتِ نور ہے جس کا انسان میں اور دنیا کی ہر چیز میں ظہور ہے۔ یہی زندگی ہے۔

وانمودن خویش را خوئے خودیست
خفتہ در ہر ذرہ نیروئے خودیست
نکتۂ نورے کہ نامِ اُو خودیست
در وجودِ ما شرارِ زندگی است

اقبال کے الفاظ میں خودی "شعور کا وہ روشن نکتہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں اور یہ ایک لازوال حقیقت ہے جو فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے" اور اس کا ایک خاصّہ یہ ہے کہ وہ عمل اور خودنمائی کے لیے بیتاب رہتی ہے۔

قوّتِ خاموش و بیتابِ عمل
از عمل پابند اسباب و علل

© rasailojaraid.co

مشکلات پر غالب آنے کی خواہش خودی کا خاصّہ ہے

لفظ خودی کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اقبال نے اس لفظ کو استعمال کر کے انگریزی لفظ SELF CONCIOUSNESS یا SELF کا جو مدّت سے فلسفہ کی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ فارسی یا اُردو ترجمہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ خودی کی اس سادہ اور معروف فلسفیانہ اصطلاح کو سمجھنے میں بالعموم اقبال کے ایسے معتقدین کو بھی دقّت پیش آتی ہے جو اس کے بہت قریب رہے ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ خودی کا لفظ اب تک فارسی اور اُردو میں ایک اور معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے یعنی خود پرستی، خود مختاری، خودسری، خود رائی، خودپسندی خود غرضی، غرور، نخوت اور تکبّر کے معنوں میں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اقبال نے بھی اپنی قوم کی موجودہ حالت کے پیشِ نظر خودی کی گوناگوں فطری صفات میں سے اس صفت پر خاص زور دیا ہے جس کا ایک پہلو خود نمائی یا حُبِّ استیلا یا حُبِّ تفوّق (SELF ASSERTION) ہے

زندگانی قوتِ پیدا ستے
اصل اُو از ذوقِ استیلا ستے

اس صفت کی رُو سے خودی ایک مقصد کا تصوّر کرتی ہے پھر اس مقصد کے حصول کیلئے اپنی پوری قوت سعی وکل صرف کرتی ہے۔ اس عمل سے اُسے اپنے مقصد میں حائل ہونے والی مخالف قوتوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کا یعنی اپنی قوتوں کا اظہار کرتی ہے اور اس خود اظہاری یا "دانمودنِ خویش" سے اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس بنا پر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ خودی کی فلسفیانہ اصطلاح روزمرّہ کی زبان میں استعمال ہونے والے لفظ خودی کے ساتھ معنی کا اشتراک رکھتی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اقبال کے نزدیک جذبۂ خود نمائی یا ذوقِ استیلا کے جائز اور ناجائز استعمال میں کوئی خاص خوبی ہے اور اقبال کی تعلیم یہی ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو اس جذبہ کا اظہار کیا جائے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اس کی وجہ پوری تفصیل کے ساتھ تو آگے چل کر بیان کی جائے گی لیکن یہاں اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے دو گزارشات ضروری ہیں ایک تو یہ کہ خودی کے مقاصد اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی اور صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، جدوجہد یا

com

عمل سے خودی کو مستقل اور مکمل اطمینان (جو اس کی پیہم ترقی اور ترفع کا ضامن ہے) اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب اس کا مقصد اس کی فطرت کے مطابق ہو۔ غلط مقصد کی پیروی سے خودی کو عارضی تسلی ہو تو ہو لیکن آخر کار اسے بے اطمینانی اور ناکامی کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی جدوجہد آخر کار خود اُس کے اندرونی فطرتی مقصد کو شکست دے دیتی ہے۔ اور دوسری گزارش یہ ہے کہ عمل یا جدوجہد احساسِ مُدعا کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور خودی ہر آن کوئی نہ کوئی مدعا اچھا یا بُرا صحیح یا غلط رکھنے پر مجبور ہے اور لہٰذا ہر وقت عمل یا جدوجہد کرنے پر بھی مجبور ہے۔ غلط مدعا غلط عمل پیدا کرتا ہے اور صحیح مدعا صحیح عمل پیدا کرتا ہے۔ اقبال صرف اسی عمل کی تلقین کرتا ہے جو خودی کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہو اور لہٰذا صحیح ہو۔ اور اُس کے نزدیک صحیح مدعا اور لہٰذا صحیح عمل فقط مردِ مومن کا امتیاز ہے۔ گویا اقبال نے جو عملی جدوجہد اور خود نمائی پر زور دیا ہے اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہم اپنے مقصد یا مدعا کو درست کریں۔ اسی کو وہ یقین محکم یا ایمان کہتا ہے اگر مدعا نقائص سے پاک اور شکوک و شبہات سے آزاد ہو کر درست ہو جائے تو وہ ایک طاقتور عزم اور ارادۂ عمل بن جاتا ہے۔

اقبال کی وضاحت

اقبال نے خود اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ خودی سے اس کی مراد غرور یا تکبّر نہیں چنانچہ اسرارِ خودی کے دیباچہ میں اس نے لکھا ہے۔

"ہاں لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اُردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساس نفس یا یقین ذات ہے۔"

قاضی نذیر احمد کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

"اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی دونوں کا موضوع یہی مسئلہ خودی ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائے گا اگر ان دونوں میں یا کسی اور کتاب میں آپ کو کوئی ایسا شعر ملے جس میں خودی کا مفہوم تکبّر یا نخوت لیا گیا ہو تو اس سے مجھے آگاہ کیجئے۔"

مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنی کسی کتاب میں بھی لفظ خودی کو تکبّر یا نخوت کے معنوں میں

© rasailojaraid.com

استعمال نہیں کیا۔ نیٹشے (NIETZCHE) پر اقبال کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نوٹ اقبال اکادمی کے پاس محفوظ ہے۔ اس نوٹ میں لفظ خودی کی تشریح کرتے ہوئے اقبال نے لکھا ہے:

لفظ خودی کو بڑی مشکل سے اور بادلِ نخواستہ چنا گیا ہے ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کے اندر بہت سی خامیاں ہیں اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اسے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہمیشہ بُرے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے اور دوسرے الفاظ بھی جو"مَیں" کی مابعدالطبیعاتی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں اتنے ہی ناموزوں ہیں، مثلاً انا، شخص، نفس، انانیت۔

ضرورت دراصل اس بات کی ہے کہ"مَیں"یا"ایغو"کے لیے ایک ایسا لفظ مل جائے جو بے رنگ ہو اور کسی اخلاقی مفہوم کے بغیر ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے فارسی یا اُردو میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں' فارسی لفظ"من"بھی اتنا ہی ناموزوں ہے، تاہم شعر کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے سمجھا کہ لفظِ خودی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ فارسی زبان میں کسی قدر اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ لفظ خودی ایغو کے سادہ مفہوم یعنی"من تکے بے رنگ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا مابعدالطبیعاتی نقطۂ نظر سے خودی کا لفظ"من"کے اس ناقابلِ بیان احساس کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ہر فرد انسانی کی بے مثل انفرادیت کی بنیاد ہوتا ہے، مابعدالطبیعاتی طور پر اس لفظ کا کوئی مفہوم ایسے لوگوں کے لیے نہیں جو اس کے اخلاقی مفہوم سے نجات نہیں پا سکتے۔ میں زبورِ عجم میں پہلے کہہ چکا ہوں۔

گرفتم ایں کہ شرابِ خودی بسے تلخ است
بدردِ خویش نگر زہر ماندرمان کش

(ترجمہ) خودی کی شراب بے شک تلخ ہے لیکن اپنے مرض پر نگاہ رکھو اور اپنی صحت کی خاطر میرے زہر کو پی لو۔

جب میں نفیٔ خودی کی مذمت کرتا ہوں تو میرا مطلب اس سے اخلاقی معنوں میں ایثار یا نفس کی مذمت نہیں ہوتا۔ نفیٔ خودی کی مذمت سے میں ایسے افعال کی مذمت کرتا ہوں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ"میں"کو ایک مابعدالطبیعاتی قوت کی حیثیت سے مٹا دیا جائے۔ کیونکہ اُسے مٹانے

.com

کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اجزا بکھر جائیں، وہ حیات بعد ممات کے قابل نہ رہے یہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اسلامی تصوف کا نصب العین خودی کو مٹانا نہیں۔ اسلامی تصوف میں فنا سے مراد انسانی ایغو کا مٹانا نہیں بلکہ اس کا مکمل طور پر خدا کی ذات کے سپرد کر دینا ہے، اسلامی تصوف کا نصب العین ایک ایسا مقام ہے جو فنا کے مقام سے بھی آگے ہے یعنی مقامِ بقا جو میرے نقطۂ نظر سے اثباتِ خودی کا بلند ترین مقام ہے، جب میں کہتا ہوں "لعل کی طرح سخت ہو جاؤ" تو میری مراد نیٹشے کی طرح یہ نہیں ہوتی کہ بے رحم اور بے درد ہو جاؤ بلکہ یہ ہوتی ہے کہ خودی کے عناصر کو مجتمع کر دو تاکہ وہ بعد از مرگ زندہ رہنے کے لیے فنا کا مقابلہ کر سکے۔

اخلاقی نقطۂ نظر سے لفظ خودی (جیسا کہ اُسے میں نے استعمال کیا ہے) کا مطلب ہے خود اعتمادی خودداری، اپنی ذات پر بھروسہ، حفاظتِ ذات بلکہ اپنے آپ کو غالب کرنے کی کوشش جبکہ ایسا کرنا زندگی کے مقاصد کے لیے اور صداقت، انصاف اور فرض کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قوت کے لیے ضروری ہو، اس قسم کا کردار میرے خیال میں اخلاقی ہے کیونکہ وہ خودی کو اپنے قویٰ کے مجتمع کرنے میں مدد دیتا ہے اور اس طرح تحلیل اور انتشار کی قوتوں کے خلاف خودی کو سخت کر دیتا ہے۔ عملی طور پر مابعد الطبیعاتی ایغو دو بڑے حقوق کا علم بردار ہے۔ اوّل زندہ رہنے کا حق اور دوم آزاد رہنے کا حق جیسا کہ خداوندی قانون نے مقرر کیا ہو"

خُودی ذہنی کیفیّتوں کو منظّم کرتی ہے

خودی کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ ہماری ذہنی حالتوں میں وحدت پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے لکھا ہے:

"خودی ذہنی حالتوں کی ایک وحدت کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ ذہنی حالتیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہوتیں، وہ ایک دوسرے کو شامل ہوتی ہیں اور حقیقتاً ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ وہ ایک مرکّب کُل کی، جسے ہم ذہن کہتے ہیں، بدلی ہوئی کیفیتوں کے طور پر ہوتی ہیں۔ آپس میں تعلق رکھنے والی ان حالتوں کی وحدت یا یُوں کہیے کہ واقعات کی عضویاتی وحدت ایک مخصوص طرز کی وحدت ہوتی ہے۔ یہ ایک مادّی شے کی وحدت

© rasailojaraid.com

سے بنیادی طور پر مختلف ہوتی ہے، کیونکہ ایک مادی چیز کے اجزا ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ سکتے ہیں۔ ذہنی وحدت قطعی طور پر بے مثال ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ میرا فلاں اعتقاد میرے دوسرے اعتقاد کے دائیں یا بائیں طرف پڑا ہے اور نہ ہی یہ کہنا ممکن ہے کہ روضہ تاج محل کے حسن کا احساس جو میرے دل میں ہے آگرہ سے میری دُوری کی نسبت سے بدلتا رہتا ہے۔ میرا گنجائش کا تصور گنجائش کی دنیا میں گنجائش سے متعلق نہیں ہوتا۔ درحقیقت خودی گنجائش کی ایک سے زیادہ دنیاؤں کا تصور کر سکتی ہے۔ بیدار شعور کی گنجائش اور عالمِ خواب کی گنجائش آپس میں کوئی تعلق نہیں رکھتیں، وہ نہ ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں اور نہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہیں۔ جسم کے لیے صرف ایک ہی قسم کی گنجائش ہو سکتی ہے لہٰذا خودی جسم کی طرح گنجائش کی پابند نہیں۔"

خُودی کی تنہائی اور انفرادیت

خودی کا ایک اور اہم وصف اس کی تنہائی ہے جس کی وجہ سے ہر خودی بے چگوں اور بے نظیر ہوتی ہے۔ اقبال خودی کے اس وصف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ایک خاص نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک منطقی قضیہ کے تمام بنیادی مفروضات ایک ہی خودی کے اعتقادات میں شامل ہوں۔ اگر میں اس مسلہ پر یقین رکھوں کہ تمام انسان فانی ہیں اور ایک اور خودی اس مسلہ پر یقین رکھتی ہو کہ ارسطو ایک انسان ہے تو اس حالت میں کوئی نتیجہ ممکن نہیں ہوتا۔ نتیجہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے کہ دونوں مسلوں پر میں خود یقین کروں۔ پھر کسی خاص چیز کے لیے میری خواہش بنیادی طور پر میری ہی ہوتی ہے۔ اس کی تشفی سے میری ذاتی تسکین ہوتی ہے۔ اگر اتفاقاً تمام نوع انسانی ایک ہی چیز کی خواہشمند ہو تو ان سب کی خواہش کی تسکین سے بھی میری خواہش کی تسکین نہیں ہوگی جب تک کہ وہ چیز خود مجھے میسر نہ آئے دندان ساز میرے دانت کے درد کے لیے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کر سکتا ہے لیکن میرے درد کو محسوس نہیں کر سکتا میری راحتیں میری کلفتیں اور میری خواہشیں فقط میری ہی ہوتی ہیں اور میری ہی مخصوص خودی کے اجزا و عناصر شمار کی جا سکتی ہیں۔ جب میرے لیے

com

عمل کی ایک سے زیادہ راہیں کھلی ہوئی ہوں تو ان میں سے ایک راہ کو اختیار کرنے کے لیے مجھے ہی محسوس کرنا، فیصلہ کرنا یا انتخاب کرنا پڑتا ہے' خود خدا بھی ظاہری طور پر اور براہ راست میرے لیے یہ کام نہیں کرتا۔ اسی طرح سے آپ کو پہچاننے کے لیے ضروری ہے کہ میں ماضی میں آپ سے متعارف ہو چکا ہوں۔ میرا کسی مقام یا شخص کو پہچان لینا میرے اپنے ماضی کے کسی تجربہ کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے اور کسی دوسری خودی کے ماضی کے تجربہ کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ اپنی ذہنی حالتوں کے اس عجیب و غریب باہمی تعلق کو ہم فقط "میں" کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں نفسیات کا سب سے بڑا عقدہ ہمارے سامنے نمودار ہونے لگتا ہے۔ اس "میں" کی حقیقت کیا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ : حرفِ اوّل

مکمل جائزہ پیشِ نظر نہیں ہے۔ مقصود محض اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اشاریہ کی اشاعت ہمارے لئے خود احتسابی کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔

اس موقع پر ویسے تو ان تمام اہلِ قلم حضرات کا شکریہ ہم پر واجب ہے جن کی نگارشات پرچے کی زینت بنتی رہی ہیں لیکن شدید احسان ناشناسی ہوگی اگر مولانا محمد تقی امینی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کا قلمی تعاون ہمیں مسلسل حاصل رہا ہے اور جن کی مشفقانہ سرپرستی ہمارے لئے باعثِ ہمّت افزائی رہی ہے۔

زیرِ نظر شمارے میں 'ربوٰ اور مضاربت' میں فرق کے عنوان سے مولانا محمد طاسین صاحب کا ایک محققانہ مضمون شامل ہے۔ اگرچہ اس سے قبل ۸۴-۱۹۸۵ء میں مولانا موصوف کا ایک مفصل مقالہ اسی موضوع پر 'مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت' کے زیرِ عنوان بالاقساط شائع ہو چکا ہے، لیکن مولانا کا یہ تازہ مضمون اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں زیادہ دقیق علمی مباحث سے بچتے ہوئے عام فہم انداز میں مولانا نے نہایت وضاحت سے اس اہم معاملے کو بیان کیا ہے اور اس طرح اس کی افادیت کا دائرہ خواص سے بڑھ کر عوام تک محیط ہو گیا ہے۔

●●

© rasailojaraid.com

com

طالبانِ علومِ قرآن کے لئے نویدِ جانفزا!

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

نے حال ہی میں قرآن اکیڈمی میں اپنے سلسلہ وار درس کے دوران

عروس القرآن سورۃ الرحمٰن

کا درس مکمل کیا ہے جسے افادہ عام کیلئے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس میں پیش کیا جارہا ہے

آڈیو کیسٹ ——— چار عدد هدیه -/۸۰ روپے

ویڈیو کیسٹ ——— دو عدد هدیه -/۴۵۰ روپے

مزید برآں درج ذیل سورتوں کے دروس پر مشتمل کیسٹ (آڈیو) بھی حاضر سٹاک میں دستیاب ہیں

۱ — سورہ الفاتحہ	۱۴ — سورہ الاحقاف	۲۷ — سورۃ المنافقون
۲ — سورہ الکہف	۱۵ — سورۃ محمد	۲۸ — سورہ تغابن
۳ — سورہ مریم	۱۶ — سورۃ الفتح	۲۹ — سورہ الملک
۴ — سورہ الاحزاب	۱۷ — سورۃ الحجرات	۳۰ — سورہ القلم
۵ — سورہ الفاطر	۱۸ — سورہ قٓ	۳۱ — سورہ الحاقہ
۶ — سورہ یٰس	۱۹ — سورۃ الذّاریات	۳۲ — سورۃ المعارج
۷ — سورہ الصٰفّات	۲۰ — سورہ الطور	۳۳ — سورہ نوح
۸ — سورہ صٓ	۲۱ — سورہ النّجم	۳۴ — سورہ المزّمل
۹ — سورہ الزّمر	۲۲ — سورہ القمر	۳۵ — سورہ المدّثر
۱۰ — سورہ الشوریٰ	۲۳ — سورۃ الواقعہ	۳۶ — سورۃ القیامہ
۱۱ — سورہ الزخرف	۲۴ سورہ الحدید	۳۷ — سورہ الدّھر
۱۲ — سورہ الدّخان	۲۵ — سورہ الصف	۳۸ —
۱۳ — سورہ الجاثیہ	۲۶ — سورہ الجمعہ	۳۹ —

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۳

com